اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

--- ڈاکٹر ابراہیم الشریقی ---

ترجمہ: خلیل حامدی

موجودہ تاریخ عرب کے دو بڑے المیے پچھلے بیس سالوں کے اندر عرب قوم دو زبردست المیوں سے دوچار ہوئی ہے پہلی مرتبہ ۱۹۴۸ء میں اور دوسری مرتبہ جون ۱۹۶۷ء میں۔ پہلا المیہ یہ تھا کہ یہودیوں نے فلسطین کا اکثر و بیشتر حصہ عربوں سے چھین لیا اور اسرائیلی ریاست کی داغ بیل ڈال دی۔ دوسرا المیہ درحقیقت ایک فوجی حادثہ تھا جس نے پوری عرب دنیا کو تاریخ کے سب سے اہم اور پُرخطر نفسیاتی بحران میں مبتلا کر دیا۔ یہ بحران اپنے کچھ نتائج رکھتا ہے۔ اس کے کچھ ضمنی اسباب ہیں اور خارجی دنیا میں عربوں کی [illegible]ت اور وقار پر اس کے دُوررس اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس نئے المیہ کے نتائج و عواقب اپنی ہولناکی کے لحاظ سے اُن تمام آزمائشوں سے زیادہ خطیر و شدید ہیں جو عربوں نے اپنی قدیم تاریخ یا جدید تاریخ میں آج تک جھیلی ہیں۔ یہ المیہ صحیح معنوں میں بلاخیز فتنہ ہے، اسے ایسی عارضی شکست قرار نہیں دیا جا سکتا جس کے اثرات بسرعت زائل ہو سکتے ہوں۔

پہلے حادثہ میں جو دراصل بین الاقوامی سازش سے عبارت تھا ہم نے فلسطین کے پورے رقبہ میں سے تین چوتھائی حصہ کھویا تھا۔ ۵۵ فیصد تو [illegible] اُس قرارداد تقسیم کی نذر ہو گیا جس کی تائید میں مغرب بھی تھا اور مشرق بھی۔ اور مزید ۲۲ فیصد جولائی ۱۹۴۸ء کی جنگوں میں گنوا دیا۔ دوسرے حادثۂ فاجعہ کو جس میں عرب بمشکل چھ روز تک میدان جنگ میں ٹھہر سکے، پہلے حادثہ پہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے حادثہ میں جو آفتیں ٹوٹی ہیں اور جس قدر تباہی و بربادی ہوئی ہے اور جانی و مالی اور اسلحہ کا جو بھاری بھرکم نقصان ہوا ہے اُسے پہلے حادثہ سے کوئی مشابہت ہی نہیں ہے۔ مزید برآں دوسرے حادثہ میں یہ بھی ہوا ہے کہ اسرائیلی فوجوں نے بیت المقدس سمیت اُردن کا پورا مغربی حصہ، غزہ کے علاقے، صحرائے سینا، سوئز کا مشرقی کنارہ، آبنائے تیران اور شامی حدود میں جولان کی

اُن تمام پہاڑیوں کو ہتھیا لیا ہے جو بحیرہ طبریہ اور الحولہ کے میدانی علاقے کے لیے حصار کا کام دیتی تھیں۔ اس جنگ میں عربوں کے مالی نقصان کا اندازہ تین ارب ڈالر لگایا گیا ہے۔

پہلے حادثے میں عربوں نے متعدد غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا مگر اُن سے کچھ سبق حاصل نہیں کیا گیا، اور فلسطین کے مقبوضہ علاقوں کو واگزار کرانے اور زندگی و موت کی بھرپور جنگ لڑنے کے لیے ان غلطیوں کی تلافی کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ سالہا سال تک متواتر پچھلی غلطیوں کا اعادہ اور مزید غلطیوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ ایک دوسرے کے خلاف مہمات چلتی رہیں۔ دجل و فریب کے ہتھکنڈے جاری رہے۔ طرح طرح کے سیاسی نعروں کے ہتھیار فراہم کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی گئی۔ اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ ان تمام کارروائیوں کا ماحصل اُس حادثے کی شکل میں رونما ہوا جسے ہم دوسرے عظیم المیہ سے تعبیر کر چکے ہیں۔

عرب عوام حقائق سے بے خبر ہیں | رہے بیچارے عرب عوام جو صحیح تربیت اور صحت مندانہ رہنمائی کے شدید محتاج ہیں، مسئلہ فلسطین کے بارے میں ان کی تمام معلومات محض سطحی اور محدود نوعیت کی ہیں۔ انہیں یہ تو معلوم ہے کہ اسرائیل کو قائم کرنے اور مضبوط بنانے میں امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک نے کیا کردار ادا کیا ہے، مگر انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ اس معاملہ میں روس اور اشتراکی ممالک کا کردار کیا رہا ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک کی طرف سے اسرائیل کی مادی، اخلاقی اور سیاسی پشت پناہی، فلسطین کے اندر یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کے لیے تھیوڈر ہرٹزل (سنہ ۱۸۹۷ء) کا منصوبہ، لارڈ بالفور کا اعلان (سنہ ۱۹۱۷ء)، اقوام متحدہ کی قرارداد (سنہ ۱۹۴۷ء) اسرائیل کے قیام کا اعلان (سنہ ۱۹۴۸ء)، اور اسرائیل کو بین الاقوامی انجمن کا رکن بنانے کی منظوری (سنہ ۱۹۴۹ء)۔ —— یہ تمام حقائق تو بلاشبہ معلوم و معروف ہیں اور کسی دلیل و تشریح کے محتاج نہیں ہیں لیکن جو حقائق ابھی تک پردۂ راز میں ہیں وہ روس کے بالشویک انقلاب کا وہ موثر کردار ہے جو اُس نے سرزمین عرب کے اندر صہیونیوں کے پاؤں مضبوط کرنے کے سلسلے میں ادا کیا ہے، اور وہ گراں امدادیں ہیں جو اسرائیل کو سوشلسٹ اور کمیونسٹ کیمپ کی طرف سے ملی ہیں، اور وہ معاہدے ہیں جو روس اور اسرائیل کے مابین قائم ہوتے رہے ہیں اور وہ خفیہ تعلقات ہیں جو صہیونی تحریک اور مارکسی تحریک کے درمیان وقتاً فوقتاً استوار ہوتے رہے ہیں۔ اسی ناواقفیت کی بدولت عرب اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ فلسطین کی آزادی کے معاملہ میں وہ ان ممالک پر اعتماد کر سکتے ہیں۔

صہیونی سازشیں | کارل مارکس (یہودی) کی پیدائش اور اُس کے کمیونسٹ نظریہ کی اشاعت سے بہت پہلے یعنی پندرھویں اور سولھویں صدی کے درمیان خفیہ صہیونی تحریکیں اور یہودی مصنّفین برابر یہ کوشش کرتے رہے کہ مسیحی کلیسا اور پاپائیت کے نظام کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ یہودیوں کی یہ سازشیں اور منصوبے متعدد بار منکشف ہوئے، جن کی وجہ سے یورپ میں بالعموم ان کے خلاف غم و غصہ کے جذبات پھیل گئے، بلکہ اسی کے نتیجے میں یہودیوں کی بڑی بڑی آبادیوں کے خلاف فرانس اور اسپین اور دوسرے ملکوں میں خونریز ہنگامے برپا ہوتے اور یہودیوں کی کثیر تعداد ان ہنگاموں کی نذر ہوئی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں خود روس کے اندر سلطنتِ زار کے تحت یہودیوں کا جو قتل عام ہوا ہے وہ علمائے تاریخ سے مخفی نہیں ہے[1]۔

یہودی ربیوں کے منصوبوں کو بروئے کار لانے میں جب صہیونی تحریک ناکام ہوگئی تو اُس نے مارکسزم کا حربہ ایجاد کیا اور اُس نے اس نئے نظریے کو یورپ میں فلسفیانہ اسلوب اور معاشرتی انقلاب کے رنگ میں فروغ دینا شروع کر دیا۔ مگر درحقیقت اس کا اصل مدعا یورپ کی روحانی اقدار اور معاشرتی روایات کا تیاپانچہ کرنا تھا تاکہ صہیونیت کو یورپ پر غلبہ حاصل ہو جاتے اور پھر وہ مشرق کی جانب پیش قدمی شروع کر دے[2]۔

اکثر اشتراکی لیڈر یہودی ہیں | ان صہیونی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز پہلی جنگِ عظیم کے دوران ہوا۔ اس معاملے میں نظامِ جاسوسی نے مختلف پہلوؤں سے بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ عہدِ زار میں روس کے اندر، جو اُس وقت فرانس اور برطانیہ کے حلیفوں میں سے تھا، مارکسی تحریک کے خفیہ اڈے جرمنی کے نظامِ جاسوسی کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ اس وقت مارکسی تحریک کی لیڈرشپ پر جو لوگ قابض تھے اُن میں سے ایک لینن تھا، دوسرا ٹراٹسکی، تیسرا کاگانووچ، اور چوتھا کارل راڈیک۔ لینن کی بیوی یہودی تھی اور وہ خود بھی یہودی ماں کا بیٹا تھا اور اس کی دادی بھی یہودیہ تھی۔ ٹراٹسکی کے ماں اور باپ دونوں یہودی تھے۔ کاگانووچ کا باپ یہودی تھا اور ماں گمنام۔ اور کارل راڈیک کا پورا گھرانہ سخت روایت پرست یہودیوں میں شمار ہوتا تھا۔ جب زار کی خفیہ پولیس نے خفیہ

[1] انسائیکلوپیڈیا آف تاریخ سلاطین یورپ (سترھویں تا انیسویں صدی عیسوی)۔ باب: یورپ میں صیہونیت کی تاریخ، طبع دوم، ۱۵۰۔

[2] تاریخ تحریک صہیونیت، مطبوعہ پیرس ۱۹۵۰ء۔

مارکسی تحریک کی کمین گاہوں پر چھاپے مارے تو لینن اور اس کے چند دوسرے ساتھی جو پولیس کی گرفت سے بچ نکلے جرمنی فرار ہوگئے اور وہاں سے سوئٹزرلینڈ پہنچ گئے۔

لینن اور وائسمین کی ملی بھگت | زیورچ (سوئٹزرلینڈ) میں کارل راڈیک کی موجودگی میں لینن نے مشہور صیہونی لیڈر حاییم وائسمین اور اس کے صیہونی رفیق اور نامور مصنف جاک لیوے۔ آسٹریا کے یہودی پروفیسر مولبرونڈ ہیم (جو اشتراکی تحریک کا رکن تھا) اور پولینڈ کے یہودی پروفیسر ڈیوڈ سارن سے ملاقات کی۔ نیز لینن اور وائس مین کے درمیان مئی ۱۹۱۶ء میں ایک یہودی صنفکار دانیال شوین کے مکان پر ملاقاتوں کا طویل سلسلہ جاری رہا۔ ان تمام ملاقاتوں میں کمیونسٹ انقلاب کے منصوبے (P R S M) کا جائزہ لیا گیا جس کا ہدف روس میں زار کی سلطنت کا خاتمہ اور اس کے ملبے پر مارکسی ریاست کا قیام تھا۔ انہی اجتماعات میں "یہودی منصوبہ برائے مشرق" (P.J.O) پر بھی غور و خوض کیا گیا۔ یہ منصوبہ ۱۹۰۸ء میں آسٹریا میں ایک ایسی کمیٹی نے وضع کیا تھا جو یورپ کے اشتراکی یہودیوں کے قائدین پر مشتمل تھی۔ اس منصوبے کا مقصد یہودی قوم کے لیے مشرق کا دروازہ کھولنا تھا تاکہ یہودی قوم فلسطین میں آ بسکے اور وہاں ایک سوشلسٹ ریاست کی تاسیس کے بعد اسے شرقِ اوسط کے تمام ممالک کے اندر مارکسی فلسفے کی نشر و اشاعت کا مرکز بنا سکے۔

ان اجتماعات کی کارروائی جاک لیوے نے قلمبند کی تھی جو فرانس کی خفیہ پولیس کی اساس برانچ کا ایجنٹ تھا۔ جاک لیوے کے بیان کے مطابق لینن نے گفت و شنید کے دوران وائسمین سے کہا:

"روسی انقلاب کی کامیابی کی بدولت ہی یہود یورپ کے سلاطین اور حکام کے کابوس سے نجات پا سکتے ہیں، اور انہیں حکومت کے اندر اعلیٰ مراتب حاصل ہو سکتے ہیں، اور ان کا وقار اور تشخص بحال ہو سکتا ہے۔ یہ انقلاب پراگندہ حال یہودی قوم کا وہ مقصد پورا کر دے گا جسے پورا کرنے سے ۱۷۸۹ء کا فرانسیسی انقلاب بھی عاجز رہا ہے۔ جونہی روس کی سرزمین سے زار کی بساط لپٹی اور کلیسا کی فرماں روائی ختم ہوئی، وہاں ایک خالصتہً مارکسی ریاست قائم کر دی جائے گی جس کی تعمیر ان بنیادوں پر استوار ہوگی جن کا مقصد مغرب اور مشرق میں طویل المیعاد منصوبوں کی تکمیل ہے"۔

وائس مین نے اس نظریہ پر رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"یہودیت پر مشرق کا دروازہ اسی وقت کھل سکتا ہے کہ عثمانی سلطنت کو کلیتہً مسمار کر دیا جائے۔ عثمانی سلطنت اگر محو ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی وہ تمام دیواریں اور رکاوٹیں زائل ہو جائیں گی جو ارضِ موعود کی طرف پیش قدمی کرنے میں حائل ہو رہی ہیں۔ عثمانی سلطنت کا چراغ اب گُل ہوا چاہتا ہے اس لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ جونہی روس کا اشتراکی انقلاب اپنی منزل کو پہنچ جائے فلسطین کی اشتراکی قیادتوں پر دولت یہودیہ کی داغ بیل ڈال دی جائے"

لینن اور اس کے مجوزہ انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سائیلنے اپنی کتاب "صیہونیت اور بالشویک انقلاب" میں جو ۱۹۲۶ء میں میلانو سے شائع ہوئی تھی، لکھتا ہے:

"صیہونیوں کی اشتراکی تحریک صنعتی اور لاطینی یورپ کے اندر اس طرز کے انقلابات بھڑکانے میں ناکام ہو گئی جس طرز کا انقلاب اُس نے زار کے روس میں بالشویک انقلاب کے عنوان سے بھڑکایا تھا۔ زار کا روس درحقیقت ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہوا جو ۱۹۱۷ء میں اس سرزمین پر نافذ کی گئی۔ روسی قوم یہ سمجھتی ہے، جیساکہ اس کے ذہن میں ڈالا گیا ہے، بالخصوص مزدوروں اور کسانوں کا طبقہ، کہ لینن روسی انقلاب کا بطلِ وحید ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اشتراکی تحریک کے تمام زعماء یہودی تھے اور ٹراٹسکی کی قیادت میں انہوں نے یہ منصوبہ سرانجام دیا۔ یہودی مصنف حاک ہوسے نے لیل شہر کے اپنے ایک ڈاکٹر دوست البرٹ ہوان کو ۱۴ ستمبر ۱۹۲۰ء کو جو خط لکھا ہے اُس میں وہ لاگ لیپیٹ کے بغیر کہتا ہے: میں نے لینن کو زیورچ میں خوب پہچان لیا تھا جہاں ایسے متعدد اجتماعات منعقد ہوئے تھے جن میں اشتراکی تحریک کے رہنماؤں نے شرکت کی تھی۔ صیہونی جمعیت کا جنرل سکرٹری حاییم وائس مین بھی اُن میں شریک ہوا تھا ... لینن ایک انقلابی آدمی ہے۔ اس نے جتنے بھی کارنامے انجام دیئے ہیں اُن سب میں وہ ٹراٹسکی کا مرہونِ منت ہے۔ یہ شخص کسی ایسی قوم کی قیادت کا اہل نہیں ہے جس کے عوام پڑھے لکھے اور بیدار مغز ہوں"

پہلی جنگ عظیم میں امریکہ کو یہودیوں نے شامل کیا پہلی جنگ عظیم کے دوران صیہونی تحریک کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔

اس تحریک کے خفیہ اجلاس زیادہ تر لندن، زیورچ، اور بیال میں منعقد ہوتے تھے۔ جولائی ۱۹۱۶ء میں لندن میں اس کا جو اجلاس منعقد ہوا تھا اس میں صیہونی لیڈروں نے بالاتفاق یہ سازش تیار کی کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کو جنگ کے اندر گھسیٹا جائے اور اُسے اتحادی طاقتوں کا ہمنوا بنایا جائے اور اس کے عوض ان طاقتوں سے یہ وعدہ لیا جائے کہ یہود کو فلسطین میں قومی وطن کی تشکیل کی اجازت ہوگی۔ شرکائے اجتماع نے حاییم وائسمین اور لیونیل روتھشلڈ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ دونوں برطانیہ کے وزیر اعظم لائیڈ جارج سے اس موضوع پر بات چیت کریں۔ چنانچہ لائیڈ جارج نے ان دونوں یہودی رہنماؤں سے اپنے پرائیویٹ آفس میں ملاقات کی اور گفتگو کے اختتام پر اُن سے کہا:

"امریکہ کے لیے تو اتحادیوں کے پرچم کے نیچے جنگ میں داخل ہونا آسان ہے، مگر یہود کے لیے قومی وطن کی فراہمی آسان نہیں ہے۔ اس آرزو کی تکمیل اولاً اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اتحادی طاقتیں جنگ میں کامیاب ہوجائیں، اور ثانیاً خود اتحادی طاقتیں بھی اس کے لیے تیار ہوں، اور ثالثاً جنگ کے بعد مشرق کے بدلتے ہوئے حالات بھی اس کی اجازت دیں۔ لہٰذا یہودیوں کا فرض ہے کہ وہ جنگی کوششوں میں حصہ لیں اور اتحادیوں کی فتح کے لیے جو کچھ بھی فراہم کرسکتے ہوں کریں۔"[1]

جارج کلیمنشو کا موقف یہودیوں کے بارے میں ۱۲ اگست ۱۹۱۶ء کو لائیڈ جارج نے فرانس کے وزیر اعظم جارج کلیمنشو کو ایک خفیہ مراسلہ لکھا جس میں اُسے اُس فراخدلانہ پیش کش سے مطلع کیا جو روتھشلڈ اور وائس مین کی طرف سے پیش کی گئی تھی۔ کلیمنشو نے جس کا لقب "چیتا" تھا اس مراسلے کے جواب میں لکھا:

"یہ بات حیرت انگیز تو ہے لیکن خلاف توقع نہیں ہے۔ یہودیوں کے پاس ایسے تجارتی ہتھکنڈے ہیں جن میں انہیں بڑی مہارت حاصل ہے۔ یہ سودا بہت مہنگا ہے، اور ضمانت بھی مفقود ہے۔

---

[1] امریکہ اور برطانیہ میں یہودیوں نے اپنے تمام مالی اور تجارتی اداروں کو اتحادیوں کی فتح کے لیے استعمال کیا۔ ان ملکوں میں بنکوں کا نظام اکثر و بیشتر یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران ان ملکوں میں یہودیوں کے ۳۵ بنک تھے۔ درآمد و برآمد کی ایجنسیاں اس کے علاوہ تھیں۔ دیکھو: نیویارک، لندن، پیرس اور زیورچ میں ایوان ہائے تجارت کے اعداد و شمار بابت ۱۹۰۰ء اور ۱۹۲۵ء۔

بہتر یہ ہے کہ ہم انہی ذرائع پر بھروسہ کریں جو ہماری دسترس میں ہیں۔ اور انہی کو بروئے کار لا کر ہم اپنے دوست امریکہ کو قائل کریں کہ وہ جنگ میں اتحادی طاقتوں کا ساتھ دینے کے لیے میں آئے۔

جنگ کے پورے عرصہ میں اور جنگ کے بعد بھی صیہونیوں کی تگ و دو اور کوششیں برابر جاری رہیں۔ کلیمنسو کے ایک دوست آندرے لیبنو نے ۱۹۲۲ء میں ایک کتاب شائع کی جس کا نام تھا "عالمی جنگ کے چند اسرار"۔ مصنف نے اس کتاب میں، جو اہم دستاویزات سے مزین تھی، صیہونی تحریک کی ان درپردہ مساعی کو بے نقاب کر دیا جو اس نے پہلی عالمی جنگ میں اور روس کی زار حکومت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں متعدد پہلوؤں سے انجام دی تھیں۔ لیبنو نے اس کتاب کے تیسرے باب میں لکھا ہے: "جرمنی اور اس کی حلیف عثمانی سلطنت کے مقابلے میں امریکہ کا اتحادی طاقتوں کے پلڑے میں اپنا بوجھ ڈال دینا بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ خاص طور پر خوراک کی سپلائی کے میدان میں۔ صیہونیوں نے اس جنگ سے جو منافع حاصل کیے ہیں وہ آنے والا وقت ہی صاف صاف بتا سکتا ہے جب حالات کے چہرے سے پردہ اٹھے گا اور یورپ کی فضاؤں سے باقیماندہ سیاہ بادل چھٹ جائیں گے۔ لندن کی صیہونی جمعیت نے اس دوستی سے خوب فائدہ اٹھایا جس کے رشتے اس جمعیت کے بعض ارکان اور برطانیہ کی بعض ذمہ دار شخصیتوں کے مابین استوار تھے۔ اس دوستی کی بدولت صیہونی جمعیت نے ان شخصیتوں سے یہ منوا لیا کہ فلسطین کے اندر یہودیوں کا قومی وطن بنایا جائے گا۔ حالانکہ یہ فلسطین وہی علاقہ ہے جس میں عرب اقوام قدیم زمانے سے بستی چلی آ رہی ہیں حتیٰ کہ سلطنت داؤد کے قیام سے بھی پہلے وہاں عرب موجود تھے۔ اور یہودی سلطنت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت مبارکہ سے پہلے ہی مٹ چکی تھی۔"

اعلان بالفور کی حیثیت لیونیل روتھشیلڈ ایک یہودی سرمایہ دار اور مسٹر بالفور وزیر خارجہ برطانیہ کے درمیان جو دوستانہ روابط تھے یہ انہی کا کرشمہ ہے کہ یہودی مساعی کا یہ مثبت نتیجہ برآمد ہوا کہ یہودیوں نے اتحادی طاقتوں سے سرکاری طور پر ایک ایسا عہد اگلوا لیا جو یہودیوں کی خواہشوں اور آرزوؤں کو بخوبی شرمندۂ تکمیل کرنے والا تھا حالانکہ لندن اور پیرس میں یہودی زعماء کا یہ منصوبہ پوری کوششوں کے باوجود ناکام ہو گیا تھا۔ جہاں تک مسٹر بالفور کے اس خط کا تعلق ہے جو اس نے ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو اپنے دوست روتھشیلڈ کو لکھا تھا اور جس میں اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ فلسطین کے اندر یہودیوں کا قومی وطن اس شرط پر وجود میں لایا جا سکتا ہے کہ اس سے دوسری غیر یہودی

اقوام کے حقوق متاثر نہ ہوں۔ اس خط کو کسی ایسی بین الاقوامی دستاویز کی قطعاً حیثیت حاصل نہیں تھی جو اتحادی طاقتوں کے نام سے اور ان کے ذمہ دار سربراہوں کے علم سے جاری ہوا ہو۔ واضح رہے کہ کلیمنشو نے جب برطانیہ کے ایک اخبار میں اس خط کا اصل متن دیکھا تو اُس نے پیرس کی یہودی کمیونٹی کی ایک سرکردہ شخصیت سے کہا: "اگر آپ لوگ بالفور کے شخصی خط کو بین الاقوامی دستاویز کی حیثیت دیتے ہیں تو میں شخصی طور پر اُن تمام وثائق کو جو لندن کی یہودی جمعیت کی ملکیت میں ہیں کاغذ کے پرزوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ بیرن روتشیلڈ کو میرا یہ تاثر پہنچا دیں۔"

تیسرے باب کے آخری پیراگراف میں آندرے بینو لکھتا ہے۔ "یہودی آئندہ چل کر بالفور کے ذاتی خط کو بین الاقوامی وثیقہ کی شکل دے دیں گے۔ اور صہیونی تحریک اقوام مشرق کو اس فریب میں مبتلا کر دے گی کہ یہ وثیقہ ایک سرکاری دستاویز ہے۔ مگر جب یہ اقوام خواب غفلت سے بیدار ہوں گی اور حقیقت حال کی تلاش کریں گی تو اس وقت پانی سر سے گزر چکا ہو گا اور تاریخ اپنے قیمتی صفحات اُلٹ چکی ہو گی۔"

بالشویک انقلاب اور اس کا سب سے پہلا کارنامہ: اب روس کے بالشویک انقلاب کی طرف آیئے۔ جس کی قربان گاہ پر لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون بہا اور جس کے راہنماؤں نے فلسطین کے اندر "سلطنت داؤد" کی تجدید کے لیے صہیونی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں نہایت اہم اور بنیادی رول ادا کیا۔

زیورچ میں لینن اور روائس مین کی ملاقات کے بعد لینن نے برلن کا رُخ کیا تاکہ جرمن حکومت سے مدد حاصل کرے۔ وہاں اُس نے جرمنی کی خفیہ پولیس کے ذریعہ سے جس کے ساتھ وہ پورا پورا تعاون کر رہا تھا اسلحہ اور روپے کی بہت بڑی مقدار حاصل کر لی۔ مارچ ۱۹۱۷ء کو اُس نے یہ تمام ساز و سامان ایک خاص گاڑی کے ذریعہ سے روسی اور پولینڈی کارکنوں کی ایک جماعت کے ہمراہ مشرقی جرمنی کی روسی سرحد تک پہنچا دیا۔ اس سامان کے انتظار میں ہزاروں یہودی سپاہی جو زار کی فوجوں سے فرار کر چکے تھے ٹراٹسکی کی معیت میں پہلے سے موجود تھے۔ چنانچہ ان سپاہیوں کو اسلحہ سے لیس کر دیا گیا اور دستوں کی صورت میں یہ روس کے اندر گھس گئے۔ فریب خوردہ کسانوں کی بہت بھاری تعداد بھی ان دستوں میں شامل ہو گئی اور یہ شہروں پر یکبارگی حملہ آور ہو گئے۔ آبادیوں کی آبادیاں اُنھوں نے ملیامیٹ کر دیں۔ شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بالآخر زار کی سلطنت کی بساط اُلٹ

دینے کے بعد وہاں لینن کی صدارت میں مارکسی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا[1]۔ مارکسزم کے علمبرداروں کا یہ پہلا منصوبہ تھا جس پر عملدرآمد ہوا۔

بالشویک انقلاب نے کامیابی کے بعد سب سے پہلا جو کام انجام دیا وہ یہ تھا، کہ روس کو جنگ سے الگ کرلیا۔ یہ موقف جرمنی کے حق میں بڑا مفید ثابت ہوا۔ جرمنی کی جو فوجیں مشرق میں روسی محاذ پر جنگ لڑ رہی تھیں وہ فارغ ہوگئیں۔ اور قیصر نے اُن سے مغربی محاذ کو مضبوط کرلیا۔ مارچ ۱۹۱۸ء میں لینن کی بالشویک حکومت نے ٹراٹسکی کو بھیجا تاکہ جرمنی کے ساتھ صلح کے معاہدہ پر دستخط کرے۔ چنانچہ بریسٹ لیٹووسک کے مقام پر اس معاہدہ پر روس کی طرف سے دستخط کیے گئے۔[2]

فلسطین میں بالشویک انقلاب کا کردار۔ روس میں مارکسی حکومت کو جنم لیے ابھی دو سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ لینن نے ٹراٹسکی کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل کی جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وائس مین اور صہیونی لیڈروں نے لینن کے ساتھ مل کر جو منصوبہ تیار کیا ہے اُس کے مرحلۂ اوّل کو عدم سے وجود میں لایا جائے۔ چنانچہ فلسطین کے اندر مارکسی نظریات کی بنیادوں پر ایک یہودی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کرنے کے لئے بالشویک حکومت نے دو یہودی لیڈروں کا ایک وفد بھیجا جو جاک شابیلیو اور راد ول کارنبرگ پر مشتمل تھا۔ ان کے پیش نظر اس علاقے میں کیمونسٹ پارٹی کی تشکیل تھی جو بظاہر جاگیرداری، قدامت پرستی اور سامراج کا قلع قمع کرنے کو اپنا شعار بنائے مگر دراصل اس پردے میں شرق اوسط کے اندر سائنٹفک سوشلزم[3] کے اصولوں کا پرچار کرے۔ ۱۹۱۹ء میں یہودی کیمونسٹوں پر مشتمل یہ پارٹی فلسطین کے اندر قائم کی گئی اور یہودی کیمونسٹوں کے ذریعہ سے کارل مارکس کی تعلیمات ہمسایہ ممالک میں پہنچنی شروع ہوگئیں۔ سات سالوں کے اندر عرب ممالک میں چار کیمونسٹ پارٹیاں قائم ہوئیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ "خفیہ دستاویزات" (برلن) ۱۹۱۷ء — ۱۹۲۰ء : یہودی بنکوں اور سرمایہ داروں نے بالشویک انقلاب میں صہیونی تحریک کے ارکان کی دل کھول کر امداد کی ۔ اس امداد کی مجموعی مقدار ۲۵ ملین اسٹرلنگ پونڈ تھی۔ بالشویک انقلاب کے قائدین یہود تھے۔

[2] "پہلی عظیم جنگ کی دستاویزات" مطبوعہ پیرس ۱۹۲۱ء

[3] مارکسزم کو اصطلاحاً سائنٹفک سوشلزم یا انقلابی سوشلزم کہا جاتا ہے۔

مصر، ۱۹۲۱ء۔ شام ۱۹۲۴ء، لبنان ۱۹۲۵ء۔ عراق ۱۹۲۰ء۔

۱۹۲۰ء میں ماسکو سے ولادیمیر گابوٹنسکی نامی ایک یہودی کمیونسٹ کو جس نے انقلاب کے دوران پیٹرسبرگ (لینن گراڈ) پر حملہ کرنے والے سرخ دستوں کی قیادت کی تھی۔ اور ہزارہا انسانوں کا خون بہایا تھا، فلسطین بھیجا گیا۔ اس کمیونسٹ یہودی کے ذمہ یہ مشن تھا کہ وہ یہودی نوجوانوں کو تربیت دے اور ایک ایسی بٹالین تشکیل کرے جو یہودیوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دے۔ اس شخص نے فلسطین میں آ کر جگہ جگہ تربیتی کورس شروع کر دیئے مگر جب ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں بیت المقدس اور یافا میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان فسادات برپا ہوئے تو فلسطین کی حکومتِ انتداب نے حالات کو مزید کشیدگی سے روکنے کے لیے جابوٹنسکی کو فلسطین سے نکال دیا۔

بالشویک حکومت نے یہودیوں کے لیے زمینیں خریدیں اوپر ہم نے جس کمیٹی کا ذکر کیا ہے اس نے دس لاکھ سنہری پونڈ (زار کا سکہ) صرف اس کام کے لیے مخصوص کر دیئے کہ فلسطین کے اندر روس کے اشتراکی یہودیوں کے لیے زمینیں خریدی جائیں۔ زار کا ایک سنہری پونڈ عثمانی سلطنت کے پانچ سنہری پونڈوں کے برابر ہوتا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں اس کمیٹی نے ایک دو رکنی وفد تشکیل کیا جو زانوبرن ماٹولیکی اور سالاٹوف پر مشتمل تھا۔ اور اُسے فلسطین بھیجا تاکہ وہ ان یہودی مہاجروں کی آبادکاری کے لئے زمینیں خریدنے کے مسئلے کا جائزہ لے جو مختلف مراحل میں روس سے ہجرت کر کے فلسطین میں آباد کیے جائیں گے۔ یہودی ایجنسی کی مدد سے اس وفد نے فلسطین کے تمام ساحلی اور کوہستانی علاقوں کا دورہ کیا، اور ان کے جغرافیائی حالات، اور زمینوں کی اقسام اور قابلِ کاشت رقبوں کا سروے کیا، اور پھر یہودی ایجنسی کے ماہرین کے اشتراک سے ایک مکمل رپورٹ تیار کر کے نقشوں سمیت لینن اور ٹراٹسکی کو پیش کی۔[1]

فلسطین کے اکثر یہودی کمیونسٹ ممالک سے آئے ہیں۔ مرحلہ اوّل میں (جو ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک جاری رہا) روس سے ہجرت کر کے فلسطین آنے والے یہودیوں کی تعداد ایک لاکھ ۶۵ ہزار تھی۔ ان میں وہ چوٹی کے فوجی افسر بھی تھے جو بالشویک انقلاب کے سرخ دستوں کے اندر کام کر چکے تھے۔ مشرقی یورپ اور جرمنی (ہٹلر کے عہد میں) سے آنے والے یہودی اس تعداد کے علاوہ تھے۔ ان کی کل تعداد ۲ لاکھ ۸۰ ہزار تھی۔ برطانوی انتداب کے دور میں

[1] ملاحظہ ہو کتاب: "ارضِ موعود کی طرف" از پروفیسر زانڈا مطبوعہ پراگ ۱۹۳۷ء

فلسطین میں آکر بسنے والے یہودیوں کا تمام تر دارومدار اُن بے پناہ سہولتوں پر تھا جو انتداب کی حکومت یہودیوں کے لیے فراہم کر رہی تھی اور یا اُن مالی امدادوں پر تھا جو دنیا کی صہیونی اور یہودی انجمنیں مسلسل پیش کر رہی تھیں۔ ایسی انجمنوں کی تعداد صرف یورپ میں ۲۴۳ تھی، متحدہ امریکہ میں ۵۸ اور لاطینی امریکہ میں ۱۹۔ علاوہ ازیں یہودیوں کے بنک اور تجارتی ادارے اپنی سالانہ آمدنیوں کا ایک حصہ بھی اس غرض کے لیے مخصوص کر رہے تھے اور فلسطین کی یہودی ایجنسی کے امدادی فنڈ کو مضبوط کر رہے تھے۔

یہودیوں کی آبادکاری کے لیے اکثر سرمایہ کمیونسٹ ممالک نے فراہم کیا۔ اس معاملہ میں برطانوی سامراج اور اشتراکیت کے درمیان ملی بھگت کا عجیب منظر ہمارے سامنے آتا ہے۔ برطانوی حکام نے دورِ انتداب میں فلسطین کے دروازے یہودیوں کے لئے چوپٹ کھول کر صہیونی تنظیموں کو یہ ہمت دلادی کہ وہ یورپ کے یہودیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں لاکر فلسطین میں آباد کریں اور اُن زمینوں کا انہیں مالک بناتے جائیں جو یہودی ایجنسی انتداب کی مدد سے حاصل کر رہی تھی یا عرب باشندوں کو بھاری قیمتوں کا لالچ دے کر اُن سے خرید رہی تھی۔ دوسری طرف اگر ہم ان اعلامیوں کو دیکھیں جو پیرس، زیورچ اور ایمسٹرڈیم میں دوسری جنگِ عظیم سے پہلے یہودی اداروں کی طرف سے جاری کیے گئے تھے، اور پروفیسر زانڈا کی مشہور کتاب "ارضِ موعود کی طرف" (مطبوعہ پراگ ۱۹۳۷ء) اور ارمانڈ شنیشر کی تالیف "اشالن سے وائس مین تک" (مطبوعہ پیرس ۱۹۳۹ء) کا مطالعہ کریں تو ہمیں بآسانی معلوم ہو جائے گا کہ وہ بھاری بھرکم سرمایہ جو فلسطین کے اندر یہودیوں کے قدم جمانے، ان کے لیئے زمینیں خریدنے، کالونیاں قائم کرنے اور مثالی بستیاں آباد کرنے کے لیے ۱۹۳۹ء تک مختلف ممالک سے فراہم کیا گیا اُس کا ملک وار تناسب یہ تھا۔

سوویت یونین سے	۴۰ فیصد
مشرقی یورپ سے	۲۸ فیصد
مغربی یورپ سے	۱۴ فیصد
متحدہ امریکہ سے	۱۹ فیصد
لاطینی امریکہ سے	۳ فیصد

(باقی)